احمد پور شرقیہ میں مرثیہ نگاری کی روایت

Tradition of Lamentation in Ahmadpur East

[1] تنزیلہ اسلم

Abstract:

Ahmadpur East was royal residencia of Bahawalpur State. As the Nawabs of State were non-shia so mourning literature could not be brought into the realm of writing. Because the creation of mourning literature could have caused the anger of the rulers. So mourning literature was created but it was limited to the memory of the people. When the Abbasid rulers established this state, there was no place for Husseini Bahman in this area. Many such families migrated from here and even if a few families were present, they would perform their religious rituals in secret. In terms of action and reaction, when the rulers are weak, the rise of mourning literature is seen. With the rise and fall of the state, the rise and fall of mourning literature is seen. The rulers have an indirect influence on poets and literature. Hayat Meerthi, Nafees Fateh Puri, Maulvi Ghous Mohammad, Qazi Ghulam Hassan Mahui and Syed Akhtar Munir are named in the history of Bahawalpur Lamentation literature. This article covers this tradition.

Keywords: Ahmadpur East, Bahawalpur, State, Urdu, Lamentation, Tradition

احمد پور مشرقی ریاست بہاول پور کی شاہی رہائش گاہ تھی۔ چوں کہ ریاست کے نواب غیر شیعہ تھے اس لیے رثائی ادب تحریر نہیں ہوتا تھا۔ کیوں کہ رثائی ادب کی تخلیق حکمرانوں کے غصے کا سبب بن سکتی تھی۔ جب عباسی حکمرانوں نے یہ ریاست قائم کی تو اس علاقے میں حسینی بہمن کے لیے کوئی جگہ نہیں تھی۔ ایسے بہت سے خاندان یہاں سے ہجرت کر گئے اور اگر چند خاندان موجود بھی تھے تو وہ چھپ کر اپنی مذہبی رسومات ادا کرتے۔ شاعروں اور ادب پر حکمرانوں کا بالواسطہ اثر ہے۔ جب حکمران کمزور ہوئے تو رثائی ادب کا عروج نظر آتا ہے۔ بہاول پور نوحہ خوانی کی تاریخ میں حیات میرٹھی، نفیس فتح پوری، مولوی غوث محمد، قاضی غلام حسن ماہوئی اور سید اختر منیر کا نام آتا ہے۔ یہ مضمون اس روایت کا احاطہ کرتا ہے۔

کلیدی الفاظ: احمد پور شرقیہ، بہاول پور، ریاست، اردو، مرثیہ نگاری، روایت

ریاست اگرچہ ۱۸۲۷ء میں قائم ہوئی لیکن اس علاقے میں اسلامی ریاست سے قبل اسلام پھیل چکا تھا۔ ہم سب جانتے ہیں کہ محمد بن قاسم نے راجہ داہر کی سرکوبی کے لیے سفر کیا تو مسلمان قافلوں کو بحری قذاقوں سے نجات دلانا تھا۔ یعنی اسلام یہاں کے باشندوں کے دلوں میں اس درجہ جاگزیں تھا کہ وہ پر ہیبت سمندری سفر میں بھی اہل خانہ کے ساتھ حج کے لیے جاتے تھے سفر کی صعوبتیں اُنہیں روک نہیں سکتی تھی اس سے بھی بڑھ کر حضورؐ کی حیات مبارکہ میں بھی صحابہ کرام کی ہندوستان میں آمد کا پتا چلتا ہے۔

۱ پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اردو، اسلامیہ یونی ورسٹی، بہاول پور

حسینی باہمن وہ لوگ تھے جو سرائیکی زبان میں واقعہ کربلا رو رو کر بیان کرتے تھے۔ برصغیر پاک و ہند میں مذہبی رسومات کا پرچار کرنے والے کو برہمن کہا جاتا تھا تو سرائیکی زبان کے لحاظ سے اُنہیں حسینی باہمن کہا جانے لگا دکن لکھنو اور دوسرے علاقوں میں رثائی ادب ابھی تخلیق بھی نہیں ہوا تھا جب یہ اس واقعہ کو رو رو کر بیان کرتے تھے۔

لوگ انہیں بلا کر اپنی محافل میں حسین کا غم سننے کے لیے بلاتے تھے اگرچہ بہت سے علاقوں میں ان کی زبان کو سمجھا بھی نہیں جاتا تھا لیکن لوگوں کو صرف یہ پتا تھا کہ لوگ حسین کے غم میں رونے والے ہیں اور ان علاقوں میں امام بارگاہوں کا قیام بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

ادبی لحاظ سے یہ ایک زرخیز خطہ ہے۔اوچ شریف میں قدیم یونیورسٹی موجود تھی پورے برصغیر میں اس کا شہرہ تھا اور خواجہ غلام فریدؒ اسی علاقے کے صوفی شاعر ہیں۔ان کا کلام پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ کس قدر بلند پائے کا ادب یہاں پر تخلیق ہو رہا تھا۔ وہ تخلیق کے اسرار و رموز سے کس قدر شناسائی رکھتے تھے کہ بحروں کے اتار چڑھاؤ سے واقفیت رکھنے والے اُستاد برکت اُن کے ہمراہ ہوتے تھے اور سکون اور فطرت سے قربت کا یہ عالم تھا کہ جہاں سب سے رابطہ منقطع ہو جاتا وہاں پر یہ ادب تخلیق ہوا لیکن اس خطے میں رثائی ادب کو پذیرائی نصیب نہ ہوئی۔ جیسا کہ ترکی میں جب تک عباسی خلافت رہی وہاں بھی رثائی ادب فروغ نہ پا سکا۔ اور اس ریاست کے حکمران اُسی سلسلے کی کڑی ہیں یہاں پر رثائی ادب کو فروغ کیوں کہ ملتا۔

حکمرانوں کی خوشنودی کے لیے عوام کا مزاج بدلتا رہتا ہے اگر سرائیکی زبان میں رثائی ادب موجود بھی تھا اُسے حیطہ تحریر میں نہیں لایا جا سکا تھا۔ کیوں کہ رثائی ادب کی تخلیق حکمرانوں کی ناراضی کا موجب بن سکتا تھا لیکن رثائی ادب تخلیق ضرور ہوا مگر لوگوں کے حافظے تک محدود رہا اور دوسری وجہ ریاست میں چھاپا خانہ بہت دیر سے قائم ہوا۔ یقیناً جب عباسی حکمرانوں نے یہ ریاست قائم کی تو حسینی باہمن کی اس علاقے میں جگہ نہ بچی۔ ایسے بہت سے خاندان یہاں سے کوچ کر گئے اگرچند خاندان موجود بھی رہے وہ اپنی مذہبی رسومات پوشیدہ طور پر انجام دیتے۔ عمل اور رد عمل کے حساب سے جب حکمران کمزور ہوئے تو رثائی ادب کا فروغ نظر آتا ہے

ریاست کے عروج وزوال کے ساتھ رثائی ادب کا عروج وزوال نظر آتا ہے۔ حکمرانوں کا بالواسطہ شعراء اور ادباء پر اثر نظر آتا ہے۔

اس مضمون میں ریاست کے اُن علاقوں کو چنا گیا ہے جو ریاست کے قیام کے وقت کلیدی مقام رکھتے تھے۔ جیسا کہ احمد پور شرقیہ ڈیرہ نواب، اوچ شریف اور ان سے ملحقہ قصبات اور دیہی علاقے۔

اس علاقے میں رثائی ادب کے آغاز کا پتا لگانے اور اس کے عروج وزوال کی داستان سمجھنے کے لیے اس علاقے کے محل وقوع کو ذہن میں رکھا جائے گا اس خاص علاقے کا عباسی تاریخ میں کیا مقام رہا ہے۔ یہ علاقہ عباسی ریاست کے بالکل درمیان میں واقع نوابوں کی پہلی رہائش گاہ کے بالکل قریب ہے اس لیے نوابوں کے ملازمین اور دیگر اہل علم وفن اسی علاقے میں سکونت پذیر ہوئے۔

ریاست کا پہلا شہر جو ''چودھری'' کا علاقہ تھا اب ''اللہ آباد'' کے نام سے موجود ہے۔ احمد پور شرقیہ اس علاقے کے مشرق میں موجود ہے۔ ڈیرہ نواب صاحب، احمد پور شرقیہ سے جنوب کی جانب ہے۔

احمد پور شرقیہ نواب صاحب کو جہیز میں ملا تھا اور قلعہ ڈراور تک سبزیاں اور تازہ پھل یہاں سے ہی بھیجے جاتے تھے۔[[2]]

عباسی حکمرانوں کی بہادری کی بنا پر ملتان کے نوابین نے لکھویروں کے حملوں سے بچنے کے لیے یہ علاقے نواب صادق خان اول کو دیے تھے۔ اگرچہ ریاست اپنوں اور غیروں کی ریشہ دوانیوں کا شکار رہی مگر قلعہ ڈراور میں ایک شاہی لائبریری اُن کے ادبی ذوق کا ثبوت ہے اس کے علاوہ ''ندوۃ العلما'' کی تعمیر کے لیے ۵۰۰۰۰ کی خطیر رقم اور سالانہ وظیفہ بھی اُن ادب دوست ہونے کا ثبوت ہے۔

ریاست کے حکمرانوں نے تعلیم یافتہ خاندانوں کو بلایا اور انہیں عزت سے نوازا جنہوں نے بھر ریاست میں ادب کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کیا۔ جب تمام ریاستوں میں انتشار کی صورت حال تھی۔

---

2 ایک بزرگ شہری بشیر احمد کھوکھر جن کی ذاتی لائبریری ہے اور احمد پور شرقیہ کی تاریخ سے واقف ہیں غیر رسمی ملاقات میں احمد پور شرقیہ کے بارے میں بتایا۔

بہاول پور ایک پر امن علاقہ تھا اور خوشحال بھی ملک کے دوسرے علاقوں سے لوگ اس ریاست کی طرف بھی ہجرت کر رہے تھے۔

''کرنل الفسٹن'' کی سفری داستان پڑھیں تو پتا چلتا ہے کہ اس ریاست کے لوگ کیسے زندگی گزار رہتے تھے۔ اُن کے بقول ریاست کے لوگ پر امن اور خوشحال دکھائی دیے۔

ایک بات تو طے ہے کہ احمد پور شرقیہ کی سب تحصیل اوچ شریف تاریخی اہمیت کی حامل ہے اور قدیم بھی یہی ایک علاقہ ہے جو احمد پور شرقیہ کی ادبی تاریخ مرتب کرنے میں معاون ثابت ہو سکتا ہے۔

> ''چوتھی صدی ہجری ۹۸ء میں سلسلہ گازرونیہ کے بزرگ حضرت صفی الدین گازرونی اوچ شریف تشریف لائے اور درس گاہ قائم کی۔'' [۱]

ناصر الدین قباچہ کے عہد میں علاقہ منہاج الدین سراج جامعہ فیروزیہ کے مدرس اور ادیب بھی تھے نور الدین محمد عوفی بھی اسی عہد کے عالم تھے جنہوں نے ''لباب الالباب'' تصنیف کی۔

ریاست کے سیاسی حالات ادبی تخلیقات پر اثر انداز ہوتے رہے۔ جب نواب بہاول خان ثانی تخت نشین ہوئے تو انہوں نے شعرا کی قدر کی اسی دور میں عبدالحکیم اوچوی نے مثنوی ''یوسف زلیخا'' تحریر کی۔

اگر گدی نشین اوچ شریف ''گیلانی لائبریری'' تک ادب دوست لوگوں کی رسائی ممکن بنادیں تو ہو سکتا ہے اس خطے کی تاریخ کو بینائی مل جائے۔ تحقیق کی روشنی میں ادبی عروج و زوال کو بیان کیا جا سکے گا۔

''صادق الاخبار'' پہلا باقاعدہ اخبار ہے ماجد قریشی نے عزیز الرحمن کے حوالے سے دعویٰ کیا ہے کہ:

> ''۱۸۸۰ء سے قبل اُردو شاعری کے نقوش تقریباً مفقود ہی ہیں۔'' [۲]

نواب بہاول خاں عباسی خامس جن کا دور ۱۹۰۳ء تا ۱۹۰۷ء ہے کو اُردو سے بہت دل چسپی تھی۔ آہستہ آہستہ بہاول پور، رحیم یار خان بہاول نگر اور احمد پور شرقیہ میں ادبی محافل سجنے لگیں۔ ۱۹۴۳ء میں بہاول پور میں ایک کل ہند مشاعرہ منعقد ہوا جس میں تلوک چند محروم مولانا ظفر علی خاں، حاجی لق لق اور مقامی شعرا میں اسد ملتانی، مولوی عزیز الرحمن شامل تھے۔

''صادق الاخبار'' کے لکھاریوں میں مخدوم شمس الدین سید کا بھی بڑا نام ہے احمد پور شرقیہ کے سب سے پہلے صاحب دیوان شاعر ہیں۔

احمد پور شرقیہ کی کوئی بھی مستند ادبی تاریخ مرتب نہیں کی گئی۔ رحیم طلب نے کافی حد تک اس تشنگی کو پورا کرنے کی کوشش کی ہے۔ دوران تحقیق ایسے بہت سے شعرا کا کلام دستیاب ہوا جن کا کہیں ذکر نہیں۔

''بزم دلشاد'' احمد پور شرقیہ کی پہلی ادبی انجمن مانی جاتی ہے اس کو ''د'' پارٹی بھی کہا جاتا تھا۔ دل نورؔ، دل شوقؔ، دل چسپؔ اور دل گیر وغیرہ نے مل کر بنائی یہ تمام شعرا سرائیکی زبان کے شاعر تھے۔ اُردو زبان کے لحاظ سے ''بزم ادب اُردو'' پہلی اُردو ادبی مجلس ہے ریاض الدین منظرؔ نے اس کی بنیاد ۱۹۶۵ء میں رکھی تھی۔ اس انجمن کے قیام کا سبب دراصل وہ مشاعرے بنے جو ۱۹۵۷ء اور ۱۹۵۸ء میں احمد پور شرقیہ میں منعقد ہوئے۔ اس انجمن کے قیام سے شعرا ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونے لگے۔

نقوی احمد پوری نے ''بزم نقوی'' قائم کی تو اُردو اور سرائیکی زبان کے شعرا ایک دوسرے متعارف ہونے لگے۔ ''بزم نقوی'' میں ہر شاعر شامل ہو سکتا تھا لیکن چند پڑھے لکھے نوجوانوں نے ''سخن سفارت'' کے نام سے انجمن کی جس کے بانی ظفر لاشاری تھے۔ ''سخن سفارت'' کا پہلا اصول یہ تھا کہ اُس میں صرف گریجویٹ ہی شامل ہو سکتے تھے۔[3]

''حیدری کلب'' بہاول پور میں قائم ہوا تو اس کے دیگر علاقوں میں بھی مرثیہ نگاری کے اظہار کا حوصلہ پیدا ہوا۔

دوران تحقیق یہ بات سامنے آئی کہ اس علاقے کے شعرا کا رثائی کلام صرف مجلسوں میں پڑھا جاتا ہے اور بہت سا رثائی کلام بنا کسی شاعر کے نام کے نوحہ خوانوں کی بیاضوں میں ملتا ہے۔

دوران تحقیق یہ بات بھی سامنے آئی کہ احمد پور شرقیہ اور اس سے متصل علاقوں میں نوحہ نگاری کی صنف میں زیادہ تر طبع آزمائی کی گئی۔

---

3 رحیم طلبؔ احمد پور شرقیہ کی ادبی محافل کا حصہ ہیں انہوں نے معلومات فراہم کیں۔

اس کی ایک وجہ سے یہ سامنے آتی ہے کہ جب ریاست مضبوط تھی تو نوابوں کا قیام بھی اسی علاقے میں تھا اور شعرا نوابوں کے مزاج کے خلاف جا کر اس صنف ادب کو فروغ نہیں دے سکتے تھے جب تک نواب مستحکم رہے مجالس پوشیدہ اور مخصوص گھروں تک محدود تھیں باقی ہر لحاظ سے عوام خوشحال تھے۔ لیکن جب نواب بہاول پور قیام کرتے ہیں اور سکھوں کے ڈر سے انگریز عملداری میں ریاست چلی گئی تو نواب ریاست کے اس علاقے سے لاتعلق ہوتے گئے یہ علاقے ہر لحاظ سے پس ماندگی کا شکار ہوتے چلے گئے اس علاقے کے حساس طبقے نے نوحہ نگاری میں بڑا نام پیدا کیا۔

بہاول پور کی رثائی ادب کی تاریخ میں حیات میرٹھی، نفیس فتح پوری، مولوی غوث محمد، قاضی غلام حسن محوی اور سید اختر منیر کا نام بھی لیا جاتا ہے۔ سید اختر منیر جن کا تعلق احمد پور شرقیہ سے ہے۔

بیسویں صدی کے تیسری دہائی سے مرثیہ نگاری کا باقاعدہ آغاز نظر آتا ہے۔ اس حوالے سے کوئی سند موجود نہیں ہے کیوں کہ اس دور کا جو زیادہ تر رثائی کلام ملتا ہے وہ کسی شاعر کے نام سے منسوب نہیں ہے اور جب کوئی کلام بغیر شعرا کے نام سے ملے تو پوری دھرتی کے لوگوں کی امانت بن جاتا ہے۔ فوک ادب بن جاتا ہے پوشیدہ جذبات کا اظہار بن جاتا ہے۔

اس خطے کا رثائی ادب ناقدین ادب تک رسائی نہیں حاصل کر سکا۔ مگر شہزاد احمد خان کی کتاب ''حسین خالق کا راز قدرت'' کے لیے پروفیسر ڈاکٹر شبیہ الحسن نے اس انداز میں توصیفی کلمات ادا کیے:

> ''صاحبان علم و دانش شاعری کو دل کی آواز اور صوفیا دل کو اللہ کا گھر کہتے ہیں محترم شہزاد احمد خان کا اختصاص ہے کہ انہوں نے اپنی شاعری کو رسولؐ اور آل رسولؐ کی مدح و ثنا سے معطر و معنبر کر لیا ہے ان کی زبان کوثر و تسنیم سے ڈھلی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔''[۳]

دوران تحقیق جیسی بھی بیاض ملیں اُن میں شاعر کا نام موجود نہیں ہوتا تھا اور تاریخ بھی درج نہیں۔ بہر حال اگر ریاست کے قیام سے لے کر اختتام تک اس علاقے کے رثائی ادب کو تین ادوار میں تقسیم کیا جائے تو رجحانات میں تغیر کو محسوس کیا جاسکتا ہے۔

جیسے وہ مرثیہ نگار جو اس ریاست کے باسی تھے اور جنھوں نے ریاست کے کمزور ہونے پر مرثیہ نگاری کا آغاز کیا دوسرے حصے میں اُن شعرا کا کلام ہے جنھوں نے ریاست کے پاکستان کے ساتھ الحاق کرنے کے بعد لکھا اور تیسرا دور اُن شعرا کے لیے جنہوں نے ریاست کا نام سنا اور پاکستان کے عام شہری کی طرح یہاں آنکھ کھولی ملک کا وہ حصہ جو پہلے ریاست کے والیوں کی اور پھر حکومت پاکستان کی بے اعتنائی کا شکار ہوا۔

پہلا اُردو مرثیہ نگار ایاز بخش ایازؔ جو ۱۹۱۹ء میں پیدا ہوئے مانا جائے گا کیوں کہ کسی شاعر کے نام کے ساتھ جو پہلا مرثیہ ملا وہ ان کا ہی ہے۔

میرے اکبر اصغر قتل ہوئے
میرا قاسم پارہ پارہ ہے
مجھے غم ہے ایازؔ عزیزوں کا
غازی کی موت نے مارا ہے[۴]

اسی دور کے ایک اور شاعر عبداللہ اخگر زیادہ واضح طور پر سامنے آئے اور نوحہ نگاری کو اس علاقے سے منسوب کر دیا آپ نے ۱۹۲۳ء میں نوحہ نگاری کا آغاز کیا اپ کا ایک غیر مطبوعہ نوحہ بیاض سے ملا جو اُن کے مجموعہ کلام ''کنزالمودت'' میں موجود نہیں۔

بلند جن کے مراتب ہیں ہفت افلاک سے عالی
ہے افسوس اُن کے گلشن کی یوں امت نے پامالی
کہ ترسے ہے بوند پانی کو شافعی روز جزا والے
مٹے اس دار فانی سے ستم والے جزا والے[۵]

نقوی احمد پوری کا نام مرثیہ نگار کے حوالے سے نہیں جانا جاتا ہے مگر دبادباسا اظہار دکھائی دیتا ہے۔

کربل میں اجڑے گلشن کو نقوی نہ زمانہ بھولے گا
اصغر کے گلے میں حرمل کا کب کوئی نشانہ بھولے گا
جو بھول نہیں سکیں یادیں سپنوں میں وہ دل تڑپاتی ہیں[۶]

ISSN:2708-5724, E-ISSN:2708-5732

عبداللہ اخگر کے بعد جانباز جتوئی نے بھی نوحہ نگاری میں نام پیدا کیا ان کے ہاں تھوڑا کھلا اظہار ملتا ہے۔

دُنیا والو مجھے بتاؤ کس نے لوٹا سید کو
کس نے ہے تاراج کیا گلشن پاک محمد کو ؐ

اسی زمانے میں ۱۹۵۵ء میں مسلک کے حوالے سے فسادات ہوئے اور دیوبند مسلک کے تاج محمد خان دُرانی اور مولوی عبدالحق کے والد مولوی عبدالرزاق کو ریاست بدر کر دیا گیا۔ مطلب یہ کہ نوابین ابھی تک اپنے اصولوں پر ڈٹے ہوئے تھے لیکن اب جیسے جو جذبات نوحہ نگاری کی شکل میں ظاہر ہوئے تو دبے نہیں بلکہ یہ سلسلہ چلتا رہا۔

دوسرے حصے میں مرثیہ نگاری کی دیگر اصناف اور شعری تجربے اور مرثیہ نگار سوالات اُٹھاتے نظر آتے ہیں جیسے وہ عوام کو مجبور کر رہے ہیں کہ اس حوالے سے چپ نہیں رہنا چاہیے بلکہ دلائل سے واضح کرتے ہیں کہ اس غم کو منانا ثواب ہے۔

خود مصطفی روئے تھے تاریخ بتلاتی ہے
بھیگی ہوئی پلکیں تھیں خود زہرا فرماتی ہے
کیوں نہ روئیں ہم حسین کو جب نبی بھی بے قرار ہے

خادم حسین مشکور[۸]

خرد سے بالا ہے منظر مقام کعبے کا
لائق سجدہ جو ہے آستان کس کا ہے؟
تو خود ہی کہتا ہے مالک لامکاں ہوں میں
تو لامکاں ہے تو یہ مکاں کس کا ہے؟

منظر اچوی[۹]

نماز کی ابتدا وضو سے

تو اس کو پانی سے بے نیازی
نماز کشتی نجات کی ہے
حسین کشتی کا ناخدا ہے
نماز روشنی کی طالب
حسین شمع بجھا رہا ہے
کون اب بھی یہ پوچھتا ہے
حسین کیا ہے؟ نماز کیا ہے؟

عبدالحکیم غازی[۱۰]

دوسرے دور میں تقریباً تمام شعرا کے ہاں سوچنے کی دعوت نمایاں ہے اہل بیت سے مودت اور اُن کے مقام کو عام لوگوں کو سمجھانے کا جذبہ چھپا ہوا نظر آتا ہے۔

نہ پوچھو میرا حسین کیا ہے؟ خدا کی کن سے بھی ماورا ہے
یہ ہفت اقلیم وجود آدم اسی کے سجدے کی اک عطاء ہے

سید الطاف بخاری[۱۱]

غم حسین میں آنسو میرا اثاثہ ہیں
اگر خرید سکے گا خدا تو دے دوں گا

ممنون بخاری[۱۲]

یزید نام ہے شب کا سحر ہے نام حسین
میں کلمہ گو ہوں تو فقط بنام حسین

دلدار آصف[۱۳]

اگرچہ صدمے اُٹھا رہا تھا چراغ حق کے جلا جلا کر
جہاں کو کر گیا منور چراغ گھر کے بجھا بجھا کر

اظہر چشتی[۱۴]

پہلے دور کے مقابلے میں اس دور کے شعراء کے موضوعی اعتبار سے اور تکنیکی حوالے سے بہتری ہے خوف کا احساس قدرے کم ہوتا ہوا نظر آتا ہے پہلے اور دوسرے دور میں بین نوحہ نگاری زیادہ ہے جبکہ تیسری دور میں فضا بدلی ہوئی دکھائی دے رہی ہے۔ شعراء نے جس بھی صنف کو اپنایا ہے اُس کے ساتھ انصاف کیا ہے۔ اب اس دور کے شعراء نوابانہ آن بان کی خور کھنے والے لوگوں کی اولاد ہیں لیکن احساس محرومی، اظہار کی آزادی کا احساس بھی نظر آتا ہے نوحہ کا اس علاقے سے اتنا گہرا رشتہ کیوں ہے؟

کہا جا سکتا ہے اگر آنے والی حکومت ریاست کو اس کا جائز مقام دیتی تو آج شاید یہاں نوحوں کی تعداد کم ہوتی یا نہ ہوتی کیوں کہ یہ علاقہ بہر حال اس صنف سخن کی آبیاری نہیں کر سکتا تھا۔ کیوں کہ اہل سنت یہاں پر زیادہ تھے اور اُن کا ہی غلبہ رہنا تھا مگر یہاں بہت نوحہ نگار، مرثیہ نگار ملتے ہیں اور مرثیہ نگاری کے نقوش بھی موجود ہیں۔

وفا نہ کرنا تو سنت ہے اہل کوفہ کی
انہی کی نسل سے ہو گا ہے بے وفا جو بھی

منظر مدنی[۱۵]

یہ مرثیہ کا ایک شعر منتخب کیا ہے کس نے یہاں کے باسیوں سے وفا نہیں کی؟ کون یزید کی نسل سے تھا؟

اُسی نے للکارا ہے وقت کے یزیدوں کو
پھر گولیوں سے انسانوں کو زخمایا ہے

رحیم طلب[۱۶]

۱۹۵۵ء میں عوام پر برسائی گئی گولیوں کو وہ اب تک فراموش نہیں کر سکے جیسے جیسے نوابین پس پردہ ہوتے گئے مرثیہ نگار علامت نگاری اور ڈھکے چھپے انداز سے لکھتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں:

یہی ایک نالہ ہے کو بکو
ہے یہ ایک آنسو کی آبجو
ہے یہی نماز ہے یہی وضو
واصلؔ کو غم یہی برملا
قتل الحسین بکربلا

ظہور واصلؔ ۱۷

کلام پاک کا ہے ورد طاہرؔ نوک نیزہ پر
جو سر کر دے عبادت کو وہ سر ایسا نہیں دیکھا

طاہر چشتیؔ ۱۸

لہو سے جلا دیا بجھایا کیسے جائے گا
خون بے خطاؤں کا چھپایا کیسے جائے گا

ثاقب قریشیؔ ۱۹

حسن محمود حسن کا تعلق اوچ شریف سے ہے انہوں نے اس خطے میں مرثیہ نگاری میں کمال کیا ہے آپ کے کلام کو کسی بھی بڑے مرثیہ نگار کے مقابلے میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ ''مسیح الکلام'' کا خطاب دور طالب علمی میں حاصل کر چکے ہیں۔ ''اسرار الثقلین'' کے نام سے تمام کلام کو مجتمع کرنے کی خواہش کو مستقل دل میں رکھتے ہیں۔

یزید جس کے دور میں ملوکیت عروج پر
حیا، وفا سے ماورا بہیمت عروج پر
جگر فروش ظلمتیں، رجیمیت عروج پر
رسول سے مبارزت چنگیزیت عروج پر
حسین کیوں نہ جوش رن جو خون ہے کرار کا
تڑپ اٹھے نہ کس طرح جلال ذوالفقار کا

کلام کا نزول جس پہ اس کا ہے جگر جگر
ازل سے کنت کنز کی بہار کا ثمر ثمر
درود جس کے لخت پر صدف کا وہ گہر گہر
عدد بے ضمیر ہر یزید ہر شمر شمر
عداوتوں، بغاوتوں میں کفر ہے فنا فنا
شہید زندہ باد جس کی اصل ہے بقا بقا

حسن محمود حسن۲۰

تیسرے دور کے شعرا کا انداز فکر ملاحظہ ہو:

تیری فکر کے کئی زاویے میری زندگی کو بدل گئے
تیرے عسکری کے سبھی الم تیری ذکر ہی سے ٹل گئے

ذوالقرنین عسکری۲۱

امیر مقتل کی تشنہ لبی سوئے فرات
بازو بریدہ لاشے کو رُلا دیتی ہے

بلاول واصب۲۲

مرثیہ نگاری کے فن پر پہلی کتاب ۱۹۹۱ء ''کنزالمودت'' شائع ہوئی اور دوسری کتاب ''حسین خالق کاراز قدرت'' ۲۰۱۳ء میں شائع ہوئی۔

یزید عصر سے کہ دو نگاہ نیچی کرے
حسین وقت کے چہرے پہ مسکرائے ہیں

شہزاد احمد خان۲۳

اس مضمون میں اُن شعرا کا کلام ہے جو غیر مطبوعہ شکل میں دستیاب ہوا۔
۲۰۱۵ء کا غیر مطبوعہ کلام اس مضمون میں شامل کیا ہے تیسرے دور کے شعراء میں جدید مرثیہ گوئی

کے اثرات نمایاں ہیں حسینیت کے فروغ پر زور دیا گیا ہے اگر یہاں لوگوں کو ان کا مناسب مقام ملتا اور مسالک پر پابندی نہ عائد کی جاتی تو شاید مقدار و معیار کے لحاظ سے مرثیہ نگاری دیگر علاقوں کی مانند ہوتی۔ دباؤ اور ناانصافی نے اس علاقے میں اس صنعت کی آبیاری کی یہاں مرثیہ نگاری کے حوالے سے دو اصناف زیادہ نمایاں ہیں وہ ہیں نوحہ نگاری اور اسلام اور منقبت اہل بیت کے مصائب کو بیان کیا ہے۔ مگر ساتھ ساتھ شعراء نے یہاں کے لوگوں کی محرومیوں کو بھی کبھی کھل کر اور کبھی دبے لفظوں میں موضوع سخن بنایا۔

پروفیسر زوار شاہ اس خطے کے رثائی ادب کے شناسا ہیں۔ اُن کے مطابق:

> ''اس خطے کا رثائی ادب مرثیے کی ہئیت پر اگرچہ پورا نہیں اُترتا مگر یہاں رثائی ادب کی تخلیق کی روایت نئی نہیں۔'' [۲۴]

حوالہ جات

۱۔ محمد صلاح الدین، بزرگان بہاول پور، الفیصل غزالی سٹریٹ اُردو بازار لاہور، ۱۹۸۶ء، ص ۲۹۔

۲۔ ماجد قریشی، داستان بہاول پور، ادارہ مطبوعات آفتاب مشرق بہاول پور، ۱۹۸۹ء، ص ۳۳۔

۳۔ شہزاد احمد خان، حسین خالق کا راز قدرت، الفیروز سنز سٹریٹ، اُردو بازار لاہور، ۲۰۰۴ء، ص ۱۲۔

۴۔ احمد بخش ایاز، نوحہ، غیر مطبوعہ منقول از ذاتی بیاض سبطین رضا نوحہ خواں، عکس مملوکہ راقم۔

۵۔ عبداللہ اخگرؔ، نوحہ، غیر مطبوعہ، منقول از ذاتی بیاض نوحہ خواں نورین بی بی، عکس مملوکہ راقم۔

۶۔ نقوی احمد پوریؔ، مثلث، غیر مطبوعہ، بحوالہ: تحقیقی مقالہ ایم فل اُردو، بہاول پور میں اُردو مرثیہ نگاری، منیر احمد، شعبہ جاتی لائبریری اُردو، اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور، ۲۰۰۳ء، ص ۲۳۔

۷۔ جانباز جتوئی، نوحہ، غیر مطبوعہ، منقول از ذاتی بیاض مصنف، عکس مملوکہ راقم۔

۸۔ خادم حسین مشکورؔ، شعر، غیر مطبوعہ، منقول از ذاتی بیاض مصنف، عکس مملوکہ راقم۔

۹۔ منظر اوچوی، منقبت، غیر مطبوعہ، منقول از ذاتی بیاض مصنف، عکس مملوکہ راقم،

۱۰۔ عبدالحکیم غازی، منقبت، غیر مطبوعہ، منقول از ذاتی بیاض مصنف، عکس مملوکہ راقم۔

۱۱۔ سید الطاف بخاری، منقبت، غیر مطبوعہ، منقول از ذاتی بیاض مصنف، عکس مملوکہ راقم۔

۱۲۔ ممنون حسین بخاری، شعر، غیر مطبوعہ، منقول از ذاتی بیاض مصنف، عکس مملوکہ راقم۔

۱۳۔ دلدار آصف، کندہ شدہ عبارت کتبہ مزار دلدار آصف، شمس قبرستان احمد پور شرقیہ، عکس مملوکہ راقم۔

۱۴۔ اظہر چشتی، شعر، غیر مطبوعہ، منقول از ذاتی بیاض مصنف، عکس مملوکہ راقم۔

۱۵۔ منظر مدنی، منقبت، غیر مطبوعہ، منقول از ذاتی بیاض مصنف، عکس مملوکہ راقم۔

۱۶۔ رحیم طلب، نوحہ، غیر مطبوعہ، منقول از ذاتی بیاض مصنف، عکس مملوکہ راقم۔

۱۷۔ ظہور احمد واصل، نوحہ، غیر مطبوعہ، منقول از ذاتی بیاض مصنف، عکس مملوکہ راقم۔

۱۸۔ طاہر چشتی، منقبت، غیر مطبوعہ، منقول از ذاتی بیاض مصنف، عکس مملوکہ راقم۔

۱۹۔ ثاقب قریشی، نوحہ، غیر مطبوعہ، منقول از ذاتی بیاض مصنف، عکس مملوکہ راقم۔

۲۰۔ حسن محمود حسن، مرثیہ، غیر مطبوعہ، منقول از ذاتی بیاض مصنف، عکس مملوکہ راقم۔

۲۱۔ سید ذوالقرنین عسکری، منقبت، غیر مطبوعہ، منقول از ذاتی بیاض مصنف، عکس مملوکہ راقم۔

۲۲۔ بلال واصب، نوحہ، غیر مطبوعہ، منقول از ذاتی بیاض مصنف، عکس مملوکہ راقم۔

۲۳۔ شہزاد احمد خان، حسین خالق کا راز قدرت، حاجی پرنٹرز لاہور، ۲۰۱۲ء، ص ۳۹۔

۲۴۔ ڈاکٹر سید زوار حسین شاہ سے راقم کی ملاقات، یکم مارچ ۲۰۱۶ء۔